قرآن مجید کے آٹھ اردو تراجم کا تقابلی جائزہ

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی قبل ازیں بھی چند کتب و مقالہ جات طبع ہو کر اہل علم میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں، اور یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ ان مقالات و کتب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے زاویہ فکر کا تعین کر دیا ہے اور قرآن مجید سے ان کا تعلق اور گہری لگن کو بھی مشخص کر دیا ہے اور زیر نظر کتاب ''قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' اس تعلق کی بین شہادت ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر جامعہ کراچی نے موصوف کو پی ایچ ڈی (Ph.d) کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔ اس کتاب کی جامعیت و اہمیت تو اس کے نام سے ہی عیاں ہے۔ پھر جن منتخب آٹھ اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، ان میں سے ہر مترجم اپنے فکر و عقیدہ میں اسکول آف تھاٹ کی حیثیت کا حامل ہے، اور وہ بھی ایسے جو اپنے متبعین معتقدین میں حرف آخر ہیں۔ ایسے حضرات کے تراجم کو تقابل و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی سعی کو جسارت کا نام دیا جا سکتا ہے، لیکن اس شخصیت پرستی کے عہد میں صرف اور صرف ایک محقق ہی ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈگری ایوارڈ ہونے کے ساتھ ہی جہاں اہل علم و دانش نے اس سعی جمیل کو بے حد سراہا، وہاں مطالعہ کی زحمت سے نا آشنا شخصیت پرستوں نے چہ میگوئیاں بھی کیں اور اپنے زعم کے زیر سایہ یہ باور کر لیا کہ ضرور ہمارے مقتدا کے ترجمہ کو کمتر کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔ چنانچہ اس سوچ کو عوامی محافل و مجالس میں خوب پھیلایا گیا، ''الحق یعلوا

و لا یُعلی" کے مصداق حق نے اپنی رفعت کو خود تسلیم کروایا کہ اہل علم میں ان منتخب اردو تراجم کے تقابلی جائزے کی خوب پذیرائی ہوئی۔ اب یہ مقالہ دارالتذکیر لاہور سے کتابی شکل میں طبع ہو کر منظر پر آ گیا ہے۔

اس تحقیقی مقالہ میں تین فصول ہیں۔

فصل اوّل بطور مقدمہ کے ہے، جس میں موضوع کی اہمیت، ضرورت اور تعارف کے زیر عنوان قرآن مجید کے اردو تراجم کی افادیت کرنے کے ساتھ ساتھ تراجم کی نوعیت اور اپنے عہد کے اسکول آف تھاٹ ہونے کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے، اور اپنے مضبوط طرز استدلال سے یہ باور کرایا ہے کہ قرآن فہمی کو زندان مسلک میں مقید نہ کیا جائے بلکہ مسلک کو تصور قرآن کے عین سانچے میں ڈھالا جائے۔ چنانچہ فاضل محقق نے اسی نقطہ نظر کو اجاگر کرنے کے لیے آٹھ منتخب اردو تراجم قرآن کے حسن کو ایک گوہر شناس جوہری کی طرح پرکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جن ذی وقار شخصیات کے تراجم کو موضوع تحقیق و تجزیہ بنایا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمود حسن دیوبندی (۲) مولانا احمد رضا خان بریلوی

(۳) مولانا ثناء اللہ امرتسری (۴) مولانا عبدالماجد دریا آبادی

(۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۶) مولانا امین احسن اصلاحی

(۷) مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری (۸) مولانا ابو منصور

فاضل محقق نے مذکورہ مترجمین عظام کے تراجم سے منتخب آیات کا تقابلی جائزہ" اقیموا الوزن بالقسط" کے تتبع میں کیا ہے اور اس سلسلے میں کسی مترجم کی عقیدت کو تحقیق کی راہ میں سد سکندری نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کسی طرف اپنے جھکاؤ کو ظاہر ہونے دیا ہے۔ یہی ایک محقق و نقاد کا عدل ہے۔

فصل دوم میں موضوع کا دائرہ بحث و تحقیق کو بیان کرنے کے لیے چھ ذیلی عنوانات قائم کیے

ہیں اور ساتھ ہی اپنی تحقیق و تجزیہ کے لیے دیگر محققین کی طرح مختلف سورتوں سے من پسند آیات کا انتخاب کرنے کی بجائے ''پارہ عم'' کو بنیاد بنانے کی وجہ بیان کر دی ہے، ورنہ حسب روایات یہ تاثر پیدا ہو جاتا کہ یہاں بھی کسی پسندیدہ ترجمہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز اس فصل میں یہ بھی واضح کر دیا کہ عم پارہ کی صرف انہی آیات مبارکہ کو موضوع تحقیق و تجزیہ بنایا ہے جن کے تراجم میں مترجمین کے مابین کوئی معنوی، لغوی، صرفی، نحوی یا ادبی فرق محسوس کیا ہے۔ جن آیات کے تراجم میں کوئی معنوی یا لغوی فرق نہیں تھا وہ آیات کہ جن کو، کوئی اپنے مسلک کے لیے نمائندہ تصور کرتا ہے انہیں دائرہ تحقیق وتقابلی جائزے میں نہیں لایا گیا۔

فصل سوم میں موضوع کے لازمی مصادر اور اسلوب تحقیق کے زیر عنوان اختیار کیے گئے طرز تحقیق اور اسلوب نگارش کو مفصل بیان کر کے بطور نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس انداز تحقیق سے مذکورہ تراجم کے حوالے سے بوقلموں اور متنوع اختلافی امور اظہر من الشمس ہو گئے ہیں۔ یہ فصل چھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں عہد نبوی ﷺ سے عہد حاضر تک قرآن حکیم کے ترجموں کی ضرورت واہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور علامہ سیوطی کی الاتقان کے حوالے سے تقریباً 59 مفسر قرآن صحابہ کرامؓ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح عہد تابعین میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی سربراہی میں مکہ مکرمہ کے تفسیری مکتب، حضرت ابی بن کعب کی سربراہی میں مدینہ منورہ کے تفسیری مکتب اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی سربراہی میں عراق کے تفسیری مکتب سے مع اسماء مفسرین روشناس کرایا گیا ہے۔ پھر ترجمہ کی ضرورت واہمیت کو یہ کہہ کر اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے مدعا و مفہوم کو سمجھنے اور قرآن سے حصول افادہ واستفادہ کے لیے ترجمہ بنیادی شرط ہے، اس کے بغیر قرآن کی تفہیم وتفسیر اور مراد تک رسائی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بکثرت زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

دوسرے باب میں قرآن مجید کے اردو تراجم کی ابتداء اور اس کا ارتقائی جائزہ لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ دسویں صدی ہجری یعنی کم وبیش چار سو سال پہلے سے اردو میں قرآن کریم کے تراجم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اور اسی صدی کے اواخر میں تفسیری حاشیہ نگاری بھی شروع ہو گئی تھی، اگر چہ یہ دونوں کام مکمل اور بالاستیعاب نہیں تھے، اور زبان بھی ابتدائی عہد کی تھی، پھر بھی کام ہوا اور اسی عہد کی ضرورت کو کچھ نہ کچھ پورا کیا گیا۔ جن کے کئی مخطوطے (قلمی نسخے) مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں، جبکہ لفظی اور بامحاورہ اردو میں مکمل ترجمہ قرآن شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے ہیں، یعنی دونوں کے مکمل تراجم کا سہرا دونوں بھائیوں کے سر ہے۔ نیز اس باب میں تفہیم قرآن کے ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اور ساتھ ہی انیسویں صدی کے مکمل اور مطبوعہ تراجم قرآن کا مختصر اشاریہ بھی دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 1829ء سے 1900ء تک اردو زبان میں 34 مکمل تراجم قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آئے اس کے بعد بیسویں صدی یعنی 1901ء سے 1983ء تک قرآن مجید کے وہ اردو تراجم جو کہ غیر مطبوعہ اور مکمل ہیں ان کا اشارہ دیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ صدی میں 53 تراجم قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آئے، ان میں 34 تراجم تو مع ضخیم تفاسیر وحواشی کے ہیں، صرف نو عدد محض تراجم ہیں۔ نیز کچھ تفسیری تراجم کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ 1983ء کے بعد کے تراجم اس میں شامل نہیں کیے گئے، اسی طرح انیسویں اور بیسویں صدی کے غیر مطبوعہ تراجم کا بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

تیسرے باب میں آٹھ منتخب اردو تراجم کے ترجمہ نگاروں کی حیات کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ ان کا خاندانی پس منظر، ولادت، تحصیل علم پھر علمی، تدریسی، تحریکی، تقریری و تصنیفی کاوشوں اور کارناموں کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے، اس سلسلے میں کم وبیش 91 صفحات وقف کیے گئے ہیں۔

چوتھے باب میں منتخب آیات کے ترجمہ کے تقابلی جائزے سے پہلے اس حقیقت کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی الہامی و معجزاتی زبان کا کسی بھی زبان میں من وعن ترجمہ کرنا اگر مشکل نہیں تو

آسان بھی نہیں ہے، اور کوئی بھی مترجم ہزار ہا زبان و بیان پر قدرت رکھنے اور سعی و جہد کے باوجود اس پر قادر نہیں ہو سکا، بایں ہمہ مترجمین نے حسب استطاعت اپنے اپنے فہم و ادراک اور علمی وسعت کے مطابق قرآنی الفاظ کے معنی و مفہوم کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کی جو سعی بسیار کی ہے وہ لائق تحسین ہے۔

محقق کے اس اظہارِ حقیقت کے بعد یہ امر عیاں ہو گیا کہ منتخب اردو تراجم کے مترجمین کی کاوشوں کو سراہا گیا ہے اور ان کے تراجم کو زبان و بیان، مروّج گرامر، مرادات، محذوفات، ماقبل و مابعد سے رابطہ، ادبیات اعلیٰ اور لغت و اصطلاح کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے، پھر جو ترجمہ کسی بھی زاویہ سے الفاظ قرآن کی روح کے مطابق ٹھہرا، اسے ماہر صرّاف کی طرح آبِ زر سے مزید چمکا دیا یعنی سونے پر سہاگہ کر دیا ہے، کیونکہ محقق کا اصل مقصود کسی ترجمہ کو نہیں، بلکہ قرآن مجید کے مفہوم و معنویت کو اجاگر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے تراجم کی بھی تنقیص و تغلیط نہیں کی اور نہ ہی کسی مترجم کی تحقیر کی ہے، بلکہ ایسے بعض تراجم اور ان کی زبان و بیان کو ان کے عہد کے رائج الوقت ادب کی ترجمانی قرار دے کر بھی تحسین فرمائی ہے، جیسے سورۃ النباء کی ابتدائی تین آیتوں کے آٹھوں ترجمہ نگاروں کے تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تقابلی جائزہ میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے دوسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ اسلوب کے تحت کیا ہے، جب کہ مولانا منصور نے تیسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ سلوب سے کیا ہے، لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر کرم شاہ ازہری نے ترجمہ استفہامیہ اسلوب کے تحت کیا ہے، پھر نتیجہ میں مؤخر الذکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر کرم شاہ ازہری کے ترجمہ کی تحسین کرتے ہیں کہ مضمون میں زور اور شدت پیدا کرنے کے لیے خبریہ اسلوب کے مقابلے میں استفہامیہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مؤخر الذکر ترجموں کی تحسین کی گئی ہے تو باقی چھ تراجم کی تغلیط نہیں کی گئی ہے، بلکہ سادہ خبریہ اسلوب کو بھی اپنی جگہ درست تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ النباء کی آیت 4اور 5 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد لفظ ''کــلا'' پر نحوی بحث کر کے یہ واضح کیا ہے کہ لفظ ''کَلَّا'' کب ردع، زجر اور حقا کے معنی میں استعمال ہوتا، اور کب یہ کسی کلام کو مسترد کرنے کیے لیے بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ پھر بطور نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ نحوی بحث کے بعد مناسب یہ ہے کہ ''کَلَّا'' کا معنی ہرگز نہیں/ ایسا نہیں یعنی نفی میں کرنے کے بجائے اثبات میں کیا جائے جیسا کہ مولانا احمد رضا بریلوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا ابو منصور نے کیا ہے۔ نیز سیعلمون کا مفعول صرف پیر محمد کرم شاہ الازہری اور عبدالماجد دریابادی نے متعین کیا ہے، جب کہ پیر محمد کرم شاہ نے تو بھرپور معنویت پیدا کرنے کے لیے سیعلمون کے محذوف کی بھی عقدہ کشائی کر دی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ترجمہ میں سارے حسن سمو لیے ہیں۔ چنانچہ محقق نے یہاں بھی اگر پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کی تحسین کی ہے تو دیگر تراجم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ معلوم یہ ہوا کہ محقق کی نظر ترجمہ کے لفظی حسن پر نہیں بلکہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کون سا ترجمہ الفاظ قرآنیہ کا حقیقی عکس لیے ہوے ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اصل مقصود قرآن کی معنوی عظمت کو بلند کرنا ہے.

اسی سورۃ النباء کی آیات 6 تا 17 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تجزیہ کر کے پہلے تو یہ منقح کیا ہے کہ تیسری آیت میں اسلوب کلام باعتبار الفاظ اگر چہ خبریہ ہو گیا ہے۔ لیکن باعتبار معنی یہ پہلی آیت پر معطوف ہے جیسا کہ سورہ الم نشرح کا اسلوب ہے، یعنی آیت نمبر 2 ووضعنا عنك وزرك لفظاً سادہ خبریہ اسلوب کے تحت ہے لیکن معناً استفہامیہ اسلوب کے تحت ہے، اس حوالے سے ان آٹھوں تراجم میں صرف امین احسن اصلاحی کا ترجمہ استفہامیہ انشائیہ اسلوب پر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ مؤثر اور دلنشین ہے، مگر دیگر تراجم جو خبریہ اسلوب پر کیے گئے ہیں ان کی افادیت سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا.

اسی طرح اسی سورۃ کی آیت '' وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا '' کے آٹھوں تراجم کو تحقیق

وتجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد محقق نے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا ابو منصور کے لفظ آسمان کے اضافہ کے بغیر ترجموں کو خوب تر قرار دیا ہے، اور پھر ان تینوں ترجموں پر قائم ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی دے دیا ہے کہ بعض ماہرین کے حساب کے مطابق اطراف زمین میں پایے جانے والے خطۂ ہوا کی استقامت، جو ایک سو کلومیٹر سے بھی زیادہ ضخیم ہے وہ ایک پولاڈین کی چھت کی دس میٹر ضخامت کے برابر ہے اور سبعا شدادا کی یہ ایک تفسیر ہے۔ مطلب یہ کہ تینوں مترجمین نے جو بغیر لفظ آسمان کے اضافہ کے ترجمہ کیا ہے تو وہ اس لیے اصح ہے کہ آسمان سبعا شدادا کی تفسیر میں موجود ہے، البتہ دیگر پانچ مترجمین نے لفظ آسمان کے اضافہ سے جو ترجمہ کیا ہے وہ ترجمہ در ترجمہ ہے یعنی یہ تراجم بھی تفسیری ترجمہ ہوتے ہوے لائق التفات ہے۔

سورۃ التکویر کی آیت 15 تا 18 کے آٹھوں ترجمے نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیہ میں یہ نشاندہی کی ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمود حسن دیوبندی کے ترجموں میں ستاروں اور سیاروں کے عدم ذکر کے حوالے سے ایک قدر مشترک ہے جب کہ ان دونوں حضرات کے لفظ عسعس کے ترجمہ میں تاویل ممکن ہے جس کی رو سے مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ لائق ترجیح ہے۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمہ میں بھی ایک قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انہوں نے لفظ ''فلا'' کا ترجمہ پس نہیں کیا ہے جب کہ قسم سے پہلے اگر ''لا'' اور ''فلا'' جس طرح یہاں آیا ہے وہ قسم کی نفی کے لیے نہیں بلکہ مخاطب کے معہود ذہنی کی نفی کے لیے آتا ہے اور اس سے مقصود اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی کے ترجمے نمایاں ہیں۔ نیز انہی آیات کے ترجمہ میں عبدالماجد دریابادی کی انفرادیت کو بھی نمایاں کیا ہے کہ موصوف نے اقسم اور و اللیل کی واؤ قسمیہ کے حوالے سے لفظ قسم کا دو مرتبہ استعمال کیا ہے اور ایسا کرنا قرآن کے لفظی پہلو کی نمائندگی کے عین مطابق ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے اپنی تحقیق کو کسی ایک پلڑے میں مقید نہیں کیا بلکہ قرآن کی معنویت کو آشکارا کر کے اپنے نظریہ کے مطابق جس

ترجمہ میں جس زوایہ سے حسن نظر آیا ہے اس حسن کو اجاگر کیا ہے، مگر اسی نقطہ نظر سے دوسرے ترجمہ کو قلم کی زد میں لانے کے بجائے دوسرے زاویہ سے اس کی اہمیت و رفعت کو ممیز کیا ہے، یعنی جو ترجمہ جس زوایہ و پہلو سے منفرد تھا اسے اسی پہلو سے منفرد قرار دیا ہے۔

اسی طرح سورۃ المطففین کی آیت 27، 28 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیہ میں امین احسن اصلاحی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ترجموں میں یکسانیت کی نشاندہی کی ہے کہ ان دونوں نے لفظ ''بھا'' میں ب کو ظرف کے معنی میں لیا ہے، جب کہ دیگر چھ مترجمین نے ب کا معنی ''سے'' لیا ہے۔ پھر بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ دونوں طرح کے ترجمے اگرچہ درست ہیں مگر یہ بات محقق ہے کہ ظرفیت کے لیے ب کا استعمال از روئے قواعد عربیہ بہت معروف ہے۔ پھر جن مترجمین نے ب کا معنی ''سے'' لیا ہے ان پر امین احسن اصلاحی کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے محقق نے واضح کیا ہے کہ ہمارے نزدیک صحت ترجمہ کی رو سے دونوں طرح کے تراجم درست ہیں یعنی محقق نے اگر دو تراجم میں موجود دو ہرے حسن کو ترجیح دی ہے تو دیگر تراجم کے حسن صحت کا بھی اقرار کیا ہے، یہی ایک کھرے محقق کی شناخت ہے کہ وہ اپنا وزن کسی ایک پلڑے میں نہیں ڈالتا۔

سورۃ الانشقاق کی آیت 16 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے مختصر مگر جامع تحقیقی تجزیہ کے پیش نظر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے ترجموں کا آغاز ''پس نہیں'' سے جو کیا ہے تو انہوں نے اس اسلوب میں بلاغت کا خیال رکھا یعنی ان دونوں ترجموں میں '' فلا '' کی معنویت وافادیت کا بھرپور عکس موجود ہے جب کہ دوسرے پہلو سے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمود حسن دیوبندی کے تراجم میں لفظ ''شفق'' کا ترجمہ کرنے کی ایک نئی قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے یعنی ان تینوں حضرات کے قرآنی الفاظ کے مناسب الفاظ میں ترجمہ کرنے کو سراہا گیا ہے۔

سورۃ البروج کی آیات 4 تا 8 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے کئی زاویوں سے

خاص طور پر حرف ''اذ'' کے حوالے سے جامع تجزیہ کرنے کے بعد مولانا امین اصلاحی کے ترجمہ کو باقی تراجم کے مقابلے میں قرآنی مدعا کے قریب تر قرار دیا ہے کیونکہ صرف اصلاحی صاحب نے ہی مذکورہ آیات کا ترجمہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے جو کہ قرآن کے مقصدی پہلو سے بھرپور نظر آتا ہے، جبکہ دیگر مترجمین نے مذکورہ آیات کا ترجمہ ماضی میں کر کے اس واقعہ کو گذشتہ زمانے کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ سورۃ البروج کی آیت 15 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے لفظ ''المجید'' کا باعتبار لغت جائزہ لے کر ''المجید'' کو مشہور قرأت کے مطابق مرفوع ہونے کی بناء پر اوصاف الٰہی سے گردانا ہے۔ اس لحاظ سے عبدالماجد دریابادی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے تراجم کو از روئے قواعد و قرأت مشہورہ زیادہ مناسب قرار دیا ہے، کیونکہ ''المجید'' عرش کی صفت اس وقت ہوگا جب اسے مکسور پڑھا جائے، بصورت مرفوع یہ اوصاف الٰہی سے ہوگا، اس لیے مذکورہ پانچوں تراجم معروف قواعد کے عین مطابق ہیں۔

سورہ فجر کی آیت 14 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے ترجمہ میں استعمال کیے گئے الفاظ کا باعتبار ادب اور لفظ ''مرصاد'' کا باعتبار صرف ولغت لے کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ کو ہمہ رنگ و جہت معنویت سے لبریز ترجمہ قرار دیا ہے۔

بعد ازاں پانچویں باب میں باعتبار لغت اور کچھ دیگر ضمنی پہلوؤں سے بھی ان منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ محقق نے حسب روایت سابقہ اپنے تجزیہ و تحقیق میں کچھ تراجم کی باعتبار قواعد ولغت وادب انفرادیت کو نمایاں کیا ہے، مگر یہاں بھی دوسرے تراجم کے حسن سے آنکھیں نہیں موند لیں جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ کی آیت 6 کے آٹھوں تراجم نقل کر کے پھر ان کا تقابلی تجزیہ کر کے لکھتے ہیں کہ سات مترجمین نے لفظ ''سنقرئك'' کا ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے جو کہ قواعد عربیہ کی رو سے صحیح ہے کیونکہ اس میں حرفِ خطاب ''ك'' مفعول بہ ہے اور یہاں مفعول بھی ایک ہی بیان ہوا ہے، اس لیے

اس کا ترجمہ پڑھانے سے کرنا بہتر ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی کا ترجمہ پڑھوانے سے کرنا اگر چہ قواعد عربیہ کے خلاف ہے، لیکن اسے غلط اس لیے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ عام تفاسیر کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو بواسطہ جبرائیل امین علم دیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے "علمه شديد القوى" یہاں شدید القوی سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لیا گیا ہے، اس لیے سید مودودی نے ترجمہ پڑھوانے سے کیا ہے جب کہ دیگر حضرات نے حسن بصری مکتب کے تتبع میں شدید القوی کو اوصاف الٰہی میں شمار کیا ہے، اس لیے ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے تجزیہ میں مزید کہتے ہیں کہ بقیہ ساتوں تراجم اگر چہ از روئے قواعد بالکل صحیح ہیں لیکن از روئے ادب پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی کے تراجم زیادہ موزوں ومنفرد ہیں، کیونکہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تو، تجھ، تجھے، تم تمہیں جیسے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ غرض کہ محقق نے یہاں بھی قرآن کی معنوی مقصدیت کو اجاگر کرنے والے تراجم کی تحسین کی ہے مگر کسی مترجم یا اس کے ترجمہ کی تغلیط وتحقیر نہیں کی ہے، اسے بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ محقق اپنے نقطہ نظر سے کہیں ہٹا ہوا نظر نہیں آتا۔

سورۃ الفجر کی آیت 22 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے بہت ہی جامع تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں چونکہ قرآن کی جامعیت کو واضح کرنے کے لیے اردو تراجم میں لغوی محاسن کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، اس لیے الفاظ ترجمہ پر نظر عمیق سے توجہ ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ محقق اپنے تجزیہ کے بعد بتاتے ہیں کہ مولانا ابو منصور، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمود حسن دیوبندی نے لفظ "جاء" کا ترجمہ رب کے آنے یا نمودار ہونے سے کیا ہے، جب کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر کرم شاہ ازہری نے "جاء" کا معنی رب کے جلوہ فرمانے سے کیا ہے، اگر چہ ظاہر الفاظ میں رب تعالیٰ کے آنے کا ذکر ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ آنے جانے سے قطعاً پاک ہے، البتہ اس کے جلوہ فرمانے میں کسی کو کلام نہیں اور اس کے شواہد قرآن میں موجود ہیں۔ اس حوالے سے مولانا

سید مودودی اور مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری کے ترجموں میں لغوی معنویت ہے لیکن دوسرے پہلو سے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور امام فخر الدین رازی نے اس آیت میں چار محذوف ذکر کیے ہیں جن میں سے لفظ ''امـــر'' کو اکثر مفسرین نے تقدیرِ آیت کے بطور بیان کیا ہے، لہٰذا مضاف محذوف لفظ ''امر'' کے پہلو سے مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح اور برمحل ہے، اگر تیسرے یعنی ادب کے پہلو سے دیکھا جائے تو پیر محمد کرم شاہ ازہری اور عبد الماجد دریابادی کے ترجموں میں ادب واحترام کی رمق موجود ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تیرا، تیرے، تمہارا، تمہارے کے بجائے لفظ آپ کا استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے یہاں بھی ترجمہ یا مترجم کے بجائے قرآن کی جامعیت کو اجاگر کیا ہے۔

سورۃ البلد کی آیت ایک اور دو کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے پہلے تو ''لا اقسـم'' کے حرف لا پر بحث کی ہے، پھر لا منفصل اور لا زائدہ کے معنی ومفہوم کا تقابلی تجزیہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس پہلو سے کسی ایک ترجمہ کو راجح قرار دینا یقیناً امر دشوار ہے کیونکہ اگر قسم سے پہلے ''لا'' کا منفصل آنا عربی کا معروف اسلوب ہے تو اگر ''لا'' زائدہ نہ بھی ہو تو پھر بھی معنی وہی ہوں گے۔ نیز محقق نے یہ نشاندہی بھی کی ہے کہ سوائے مولانا امین اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین نے ''وانـت'' کا مخاطب حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ اگر چہ مدعا میں کچھ فرق نہیں، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں لفظ تم کا استعمال جچتا نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے لیے جن مترجمین نے لفظ تم، تو، تجھ، استعمال کیے ہیں ان کے مقابلے میں پیر محمد کرم شاہ ازہری اور مولانا عبد الماجد دریابادی کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ مزید تجزیہ میں یہ بھی بتادیا ہے کہ آیت نمبر 2 کے ترجموں میں مترجمین کافی حد تک الگ الگ ہیں لیکن کسی بھی ترجمہ کو غلط یا راجح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ہر ترجمہ قرآن کی بلاغت کے عین تتبع میں ہے۔

سورۃ الشمس کی آیات 5,6,7 کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تقابلی تجزیہ

میں ایک نتیجہ تو یہ نکالا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابو منصور، مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر کرم شاہ ازہری نے مذکورہ آیات کے ترجمے ماصولہ کے اسلوب سے کیے ہیں، جب کہ مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے مامصدریہ کے تحت ترجمہ کیے ہیں۔ علاوہ ازیں محقق نے مامصدریہ ماموصولہ مابمعنی الذی اور من پر تفصیلی غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عربی لغت میں ''مـا'' عام طور غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق کسی طرح درست نہیں ہے، اس لحاظ سے ماموصولہ کے مقابلے میں مامصدریہ کے اسلوب کے تحت کیے گئے ترجمے علما تحقیق کی مطاوعت میں ہیں، لہٰذا مولانا محمود حسن دیوبندی نے اگرچہ ''مـا'' کو مصدریہ کے تحت اردو میں سمویا ہے، مگر ترجمہ بطور قسم کے کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحی نے دعوت فکر وتحقیق اور شہادت وگواہی کے پہلو سے ترجمہ کیا ہے لہٰذا اس حوالے سے امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کا حسن نمایاں ہے۔

اسی سورۃ الشمس کی آیت ''فعقروھا'' کے تمام منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے پہلے لفظ ''عـقـر'' کے معنی کو لغات القرآن کے حوالے سے منقح ومبرہن کیا ہے، پھر اسی حوالے سے بطور نتیجہ مولانا سید مودودی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کو بھرپور معنویت کا حامل قرار دیا ہے، کیونکہ ان دونوں حضرات نے سادہ اور مختصر الفاظ میں قرآنی مفہوم کو اپنے کامل معنی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سورۃ اللیل کی آیات 1,2,3 کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تجزیہ میں واضح کیا ہے کہ یہاں بھی مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے مامصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے، جب کہ دیگر مترجمین نے ماموصولہ کے تحت کیا ہے۔ نیز لفظ قسم اور لفظ شاہد سے کیے گئے ترجموں میں مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو اہمیت دی جائے گی گویا محقق نے یہاں مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجموں کو بہتر قرار دیا ہے۔ پھر شہادت وگواہی کے الفاظ سے کیے گئے

ترجمہ کے حوالے سے مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو بہتر اور وزن دار تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی سورۃ اللیل کی آیت 19 کے آٹھوں تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تفصیلی اور جامع تجزیہ میں پہلے تو یہ تسلیم کیا ہے کہ مذکورہ اسلوب کے تحت کیے گئے کسی بھی ترجمہ کو مرجوح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر اس اسلوب ترجمہ پر خود ہی ایک اعتراض قائم کر کے بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ نہ صرف بہتر ہے بلکہ اس میں مقصود قرآن بھی نمایاں ہے۔ نیز محقق اپنے تجزیہ کے بعد بطور نتیجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''عندہ'' کی "ہ" ضمیر کو اللہ تعالی کی طرف لوٹایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے، جب کہ دیگر مترجمین نے "ہ" ضمیر کا مرجع "اتقی" کو بنایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے۔ مولانا امرتسری کا ترجمہ اگر چہ درست ہے لیکن اتنا جامع نہیں ہے کیونکہ قرینہ یہ بتا رہا ہے کہ یہاں "ہ" ضمیر کا مرجع انسانوں کی طرف راجع ہے، جیسا کہ امین احسن اصلاحی نے کی ہے لہٰذا محقق کے نزدیک معنویت اور مقصدیت سے بھرپور ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

بعد ازاں سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی تینوں آیات کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تجزیہ میں پہلے تو واؤ قسمیہ پر بحث کی ہے اور اس بحث میں ایک پہلو سے یہ بتایا ہے کہ واؤ قسمیہ کا ترجمہ قسم سے بھی صحیح ہے اور لفظ شاہد سے بھی صحیح ہے، مگر جو دعوت فکر و تحقیق اور مضمون میں زور لفظِ شہادت سے پیدا ہوتا ہے وہ لفظ قسم سے ترجمہ کرنے میں ظاہر نہیں ہوتا۔ پھر لفظ قسم کا معنی باعتبار لغت دلیل وشہادت ثابت کر کے محقق نے خیال ظاہر کیا ہے کہ واؤ قسمیہ کا مضمون اردو میں لفظ شاہد سے ادا کرنا انتہائی بلیغ ہے، اس لحاظ سے مولانا امین اصلاحی کا ترجمہ قرآن کے مقصدی پہلو کو اجاگر کرتا ہے.....

اسی طرح تیسری آیت کے لفظ "ودعك" کے ترجمہ میں استعمال کیے گئے اردو الفاظ کا جائزہ لے کر بتاتے ہیں کہ دست بردار ہونے، رخصت کرنے، چھوڑنے اور وداع کرنے جیسے الفاظ اس لفظ ودعک کے تحت اللفظ معنی میں باعتبار لغت استعمال ہو سکتے ہیں، مگر مولانا ابو منصور کے الفاظ ''دست بردار ہونے'' زیادہ قرین ادب دکھائی دیتے ہیں.....اسی طرح لفظ "قلی" کے جو معنی ناراض ہونے، بیزار

ہونے، خفا ہونے اور مکروہ جاننے کے الفاظ ہماری اردو زبان میں بہت ہی برے اور قبیح جانے جاتے ہیں، پھر بیزار ہونے کے مقابلے میں مکروہ جاننے کو زیادہ سنگین اور سخت سمجھا جاتا ہے، لہذا حضور ﷺ سے اس لفظ کی نسبت غیر مناسب ہے۔ مزید یہ کہ ہماری زبان میں لفظ ''آپ'' کا استعمال قرین ادب ہے۔ اس پہلو سے مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر کرم شاہ کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔

سورۃ التین کی آیت نمبر 5 کے تحت تمام منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے سب سے پہلے تو لفظ " اسفل "اور " رددناہ "کا نحوی جائزہ لیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ نحوی اعتبار سے امین احسن اصلاحی کا ترجمہ معارف سے پُر ہے۔ جس میں مقتضائے قرآن کو ملحوظ رکھ کر فتنہ جبر و قدر کی جڑ بنیاد سے ہی کاٹ دی ہے۔ بعد ازاں محقق نے " رددنـــــاہ " کے مختلف مفاہیم کے لیے مختلف آیات سے شہادتیں پیش کر کے جملہ کی ترکیب کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کی ترکیب یہاں خلاف عربیت ہے، کیونکہ جب افعل کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو ضروری ہے کہ مضاف الیہ واحد ہو۔ یہاں "اسفل " چاہے ظرف ہو یا حال ہو، لیکن سافلین بھی ایک مستقل حال ہے، اس لیے سافلین جمع ہونے کے باوجود نکرہ آیا ہے.....اسی طرح " رددنـــاہ " میں ضمیر تو واحد ہے مگر حال کو بلحاظ معنی جمع لائے ہیں، کیونکہ آیت میں انسان سے مراد نوع انسان ہے۔ اس طرح محقق نے اس آیت کے حوالے سے امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کی تحسین کی ہے۔

سورۃ البینہ کی آیت 1 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق اپنے تفصیلی تجزیہ کے بعد بتاتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابو منصور نے " من اھل الکتاب "کا ترجمہ من تجنیسیہ سے کیا ہے جبکہ مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمود حسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ من بیانیہ سے کیا ہے، پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی اس آیت کی تفسیر تو من بیانیہ سے

کرتے ہیں، مگر ترجمہ اس کے خلاف من تبعیضیہ سے کرتے ہیں یعنی ان کا ترجمہ خود ان تفسیر کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں محقق اپنے تجزیہ میں مزید بتاتے ہیں کہ یہاں اگرچہ من تبعیضیہ اور من بیانیہ دونوں کی گنجائش ہے مگر لغات القرآن کے تتبع میں محقق کے نزدیک من تبعیضیہ کے اسلوب سے کیے گئے ترجمے زیادہ قریب صواب ہے۔

اسی طرح سورۃ العٰدیت کی آخری آیت کے جملہ تراجم نقل کر کے محقق اپنے تجزیہ میں واضح کرتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابومنصور نے آیت مذکورہ کا ترجمہ زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاید قیامت کے روز ہی اپنے بندوں کے حال سے آگاہی ہوگی۔ ان کے مقابلے میں مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ترجمہ زمانہ حال کے اسلوب کے تحت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے بندوں کے احوال سے مکمل واقف ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس لحاظ سے زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیے گئے ترجمہ کے مقابلے میں محمود حسن اور مولانا احمد رضا کے ترجمے راجح اور عقیدہ اسلامی کے عین مطابق ہیں۔

بعدازاں چھٹے باب کے مذکورہ باب میں مذکرہ جملہ منتخب تراجم کا بلحاظ ادبیت تقابلی جائزہ لیا گیا ہے کہ کون سا ترجمہ اردو زبان کی موزونیت، شائستگی و شستگی اور فصاحت کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی روح اور مقصدیت کا آئینہ دار ہے۔ نیز محقق کو اگر تجزیہ میں کسی اور پہلو سے کوئی ترجمہ منفرد نظر آیا ہے یا اس میں کوئی ندرت سامنے آئی ہے تو ایسے پہلوؤں کو متفرقات کا نام دیا ہے۔ محقق نے اگرچہ تراجم کا متعدد ذیلی پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے لیکن طرز استدلال اور اسلوب بیان وہی رکھا ہے جو گذشتہ پانچ ابواب میں اختیار کیا ہے، مگر سابقہ ابواب کے مقابلے میں اس باب میں زیادہ تفصیل، تعمق اور تفحص سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ کی آیت 7 "ووجدك ضالا فهدى" کے آٹھوں تراجم نقل کر کے محقق سب سے پہلے آیت مذکورہ کے سیاق و سباق کے پہلو سے اس کا تفصیلی

جائزہ لیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ " فھدی" کا حق بطورِ نعمت کے اس وقت ادا ہوسکتا ہے، جب "ضالا" کا معنی ایسا کیا جائے جس میں حضور ﷺ کی کسی ضرورت یا طلب کا اظہار ہو۔ مذکورہ جملہ منتخب مترجمین نے "ضالا" کا معنی اپنی اپنی پسند اور ذوق کے مطابق کیا ہے اور محقق کے خیال میں سیاقِ کلام کے تقاضا کے مطابق ان سب مترجمین کا مقصود بھی یہی ہے کہ " فھدی" کو بطور ازدیادِ نعمت کے لیا جائے۔ اس کے باوجود بعض مترجمین نے اپنے ترجمہ میں نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بھٹکتا اور بھٹکا ہوا۔ ایسے الفاظ کی حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنا قطعاً ناجائز اور مقام ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح ناواقف راہ اور بے خبر جیسے الفاظ بھی حضور اکرم ﷺ کے شایان شان نہیں ہیں البتہ " ضالا" کا معنی جویائے راہ کرنے میں سیاق کلام کا تقاضا بھی پورا ہوگیا ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی تڑپ اور بے قراری کا اظہار بھی ہویدا ہوگیا ہے۔ اس معنی سے " فھدی'' کا صحیح محل ''جویائے راہ'' سے ہی سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

اسی مذکورہ آیت کے ضمن میں ایک اور ترجمہ کا تجزیہ کرتے ہوئے محقق اپنے زاویہ فکر کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ مترجم نے اپنے ترجمہ میں دو مرتبہ لفظ استعمال کیا ہے اگر پہلی ''اپنی'' سے مراد حضور اکرمؐ کی اپنی ذات ہو اور دوسری اپنی سے مراد اللہ تعالی کی ذات ہو تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ حضور اکرمؐ اعلان نبوت سے پہلے اپنی محبت میں کھوئے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالی نے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اس تاویل کی روشنی میں آیت اپنے سیاق میں تو صحیح ہوگی مگر معنوی حسن وکمال سے خالی ہوجائے گی اور اگر دونوں ''اپنی'' سے مراد اللہ تعالی کی ذات کو لیا جائے تو پھر اللہ تعالی کا حضور اکرمؐ کو اپنی محبت میں وارفتہ پاکر اپنی طرف راہ دینا تحصیل حاصل ہے اور یہ ازدیادِ نعمت ہرگز نہیں ہوسکتی جب کہ آیت کا مضمون ازدیادِ نعمت کا متقاضی ہے، یہ ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے۔

اسی طرح پیر محمد کرم شاہ نے لفظ "ضالا'' کا معنی تو ویسا ہی کیا ہے جیسا مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کیا ہے جب کہ '' فھدی'' کا ترجمہ پیر صاحب نے ''تو منزل مقصود تک پہنچادیا''

کر کے قرآن کی معنویت و مقصدیت کی مطاوعت کی ہے۔ اس طرح پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ بہت ہی اعلیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے۔ نیز محقق نے اپنے جائزہ میں یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا ابو منصور نے استفہامیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں جب کہ دیگر مترجمین نے بیانیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں۔ اس حوالے سے محقق نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ترجمے وہی اچھے ہیں جو استفہامیہ اسلوب پر کیے گئے ہیں۔

سورۃ الم نشرح کی ابتدائی چار آیتوں کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے مختلف زاویوں سے ان کا جامع اور تفصیلی تجزیہ کر کے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے کہ مولانا ابو منصور اور مولانا امین احسن اصلاحی نے " ووضعنا" اور " ورفعنا " کو آیت نمبر 1 پر عطف کر کے استفہامیہ نگاری کے اسلوب پر ترجمے کیے ہیں، جب کہ دیگر مترجمین نے خبریہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ انشائیہ اسلوب سے ترجمہ کرنے میں کلام کا اصل زور واضح ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور پیر کرم شاہ نے پہلی اور چوتھی آیت میں موجود لفظ " لك" کا معنی اپنے ترجموں میں سمو کر کاملیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جب کہ مولانا ابو منصور اور مولانا احمد رضا بریلوی نے فقط آیت نمبر 4 میں موجود " لك" کا معنی کیا ہے، یعنی ان دونوں کے ہاں یہ رنگ جزوی ہے۔ سوم یہ کہ مترجمین " انقض ظهرك" کا ترجمہ جو (کمر یا پیٹھ توڑنے سے) کیا ہے، وہ محقق کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ البتہ اس آیت نمبر 3 کا جو ترجمہ پیر محمد کرم شاہ نے کیا ہے وہ حضور اکرم ﷺ اور زبان دونوں کے ادب سے لبریز اور سرشار ترجمہ ہے۔ نیز پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی نے اپنے ترجموں میں حضور اکرم ﷺ کے لیے تمہارا، تمہارے، تیرا، تیرے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خبریہ اسلوب پر کیے گئے ترجموں میں پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ سب سے زیادہ اعلیٰ ہے، جب کہ انشائیہ اسلوب کے تحت مولانا ابو منصور کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ سے زیادہ جامع ہے۔

سورۃ التکاثر کی آیت 5 تا 7 کے جملہ تراجم نقل کر کے محقق نحوی طور پر جائزہ لے کر بیان کرتے ہیں، تالیف کلام پر غور و تفحص کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آیت نمبر 5 میں حرف "لـــو" کا جواب محذوف ہے، جسے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنے اپنے طریقہ وانداز سے اس محذوف کو اپنے تراجم میں کھولا ہے، جب کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا ابومنصور نے "لـو" کے محذوف جواب کا ذکر کیے بغیر ترجمہ کیا ہے۔ پھر ان مؤخر الذکر میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمود حسن دیوبندی نے "لترون الجحیم" سے اپنے ترجمہ کو پھر سے شروع کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں حضرات مذکرۃ الصدر چاروں حضرات کی طرح "لترون الجحیم" اور آیات مابعد کو "لـو" کے تحت نہیں مانتے جب کہ امین احسن اصلاحی اور ابومنصور نے ان آیات کو "لـو" کے تحت مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے، بلکہ امین احسن اصلاحی نے تو اپنی تفسیر میں اس طرف اشارہ بھی دیا ہے۔ بایں ہمہ ابومنصور کے ترجمہ سے دعوٰی اخذ ہوتا ہے کہ عین الیقین اس دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے، جب کہ امین احسن اصلاحی کے نزدیک عین الیقین کا تعلق عالم آخرت سے ہے یہاں صرف علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ محقق نے مزید شواہد پیش کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگرچہ ابومنصور کے ترجمہ کی اہمیت اور زور سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں بھرپور معنویت کے باعث اسے راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

سورۃ الفیل کی آیت 4 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے انتہائی گہری نظر سے ان کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور " بحجارۃ من سجیل " کے ترجمہ میں مترجمین نے جو مختلف الفاظ استعمال کیے ان کو الگ سے نقل کر کے پرکھا ہے، پھر از خود لفظ ''سجیل'' کے از روئے لغت معانی اور تفصیلی تحقیق سپرد قلم کر کے اپنی رائے اس طرح پیش کی ہے کہ سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین کے تراجم میں کنکر اور پتھر کے لفظی فرق کے باوجود ایک قدر مشترک موجود ہے یعنی

سب نے "ترمی" کا فاعل پرندوں کو قرار دیا ہے۔ جب کہ اصلاحی صاحب نے "ترمی" کا فاعل انسانوں کو قرار دے کر صیغہ مخاطب/ حاضر میں ترجمہ کیا ہے اور یہ ترجمہ انہوں نے فراہی کے تتبع میں کیا ہے۔ آخر میں محقق بطور نتیجہ ان حضرات کے ترجمہ کو زیادہ قرین صواب قرار دیتے ہیں جنہوں نے پتھر اور کنکر سے ترجمہ کیا ہے۔

سورۃ قریش کی آیت ۱۔۲ کے جملہ تراجم تحریر کر کے محقق نے پہلے تو لغت اور گرامر سے تفصیلی تجزیہ کیا ہے اور پہلا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "لایلاف" میں جو پہلا لام ہے وہ عربی محاورہ کے مطابق تعجب کے لیے ہے۔ یہی قول امام اخفش، امام کسائی اور امام فراء کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو راجح کہا ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تینوں ائمہ نحو کی پیروی میں اسی محاورہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے، جب کہ دیگر ساتوں مترجمین نے اس لام کو لام تعلیل سمجھ کر ترجمہ کیا ہے اور دوسرے ایلاف کو پہلے ایلاف سے بطور بدل لیتے ہوئے جار مجرور "فالیعبدو" کے جملہ سے سمجھا ہے۔ اس طرح محقق کی رائے کے مطابق لام تعلیل کے تحت جو ترجمے کیے گئے ہیں وہ درست ہیں لیکن ان سات ترجموں میں بھی مسلسل مربوط اور کامل فہم عطاء کرنے والا ترجمہ ابو منصور کا ہے۔

سورۃ الماعون کی آیت 5 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے نظر عمیق سے تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے ابو منصور کے باقی مترجمین کے تراجم ایک ہی مضمون یعنی نماز کے ظاہر پر مشتمل ہیں جب کہ ابو منصور کا ترجمہ آیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے یعنی ماز کے مقتضائے حقیقی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی کے باعث یہ ترجمہ باقی تراجم کے مقابلے میں جاذب توجہ ہے اور اگر آیت نمبر 6 کو اس آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ آیت، آیت 5 کو اس طرح مؤکد کرتی ہے کہ اس کا مضمون مزید قابل توجہ ہو جاتا ہے۔ نیز سیاق کلام جو محذوف مترشح ہے اسے بھی ابو منصور نے اپنے ترجمہ میں وا کر دیا ہے۔ مزید براں ابو منصور کے ترجمہ کی تائید ہمیں امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے بھی ملتی ہے، گویا محقق نے اس مقام پر ابو منصور کے ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے۔

سورۃ اللہب کی پہلی آیت کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے تفصیلی جائزہ لے کر قرار دیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، پیر کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابو منصور کے ترجموں میں کوسنے اور بددعا دینے کا مفہوم ملتا ہے، جبکہ مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور مولانا اصلاحی کے ترجموں میں کسی امر کے واقع/مکمل ہو جانے کا پتہ چلتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سورۃ اللہب بطور پیش گوئی نازل ہوئی تھی جیسا کہ سید مودودی، پیر کرم شاہ ازہری، امین احسن اصلاحی اور عبدالماجد دریابادی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس سورۃ کے بطور پیش گوئی نزول کی تائید کی ہے۔ مگر ان کے تراجم ان کی تفاسیر کے برعکس ہیں۔ چنانچہ محقق اپنی تحقیق کے مطابق رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں چونکہ نفس مضمون پیش گوئی پر مشتمل ہے، لہٰذا آسان زبان واسلوب میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا جاتا (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں گے اور وہ خود بھی مرے گا)۔

محقق نے اپنے مقالہ کے اختتامیہ میں طریق استدلال کے علاوہ بھی کچھ لکھا ہے مگر میں اپنی پسند کے صرف دو پیراگراف من وعن نقل کر رہا ہوں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) علاوہ ازیں اس طرز تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مکتبی ومسلکی تعصب ٹھیک نہیں کیونکہ حق ان تمام ہی کے درمیان دائر وسائر ہے، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس مکتب ومسلک کو بھی اختیار کریں یا جس مترجم کو بھی پسند کریں، اسے فہم قرآنی کا فقط ایک ذریعہ قرار دیں، حرف آخر یا عین حق وصواب نہ سمجھیں۔

(۲) چنانچہ اس مقالہ میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ فہم قرآنی کے لیے کسی ایک ترجمہ کو کافی قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ کہ قرآن کا بہتر سے بہتر اور جامع وکامل ترجمہ کرنے کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں تاکہ کلام الٰہی سے اخذ واستفادہ کرنے والے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ہدایت ومعرفت حاصل کر سکیں۔

بہر حال یہ مقالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوا ہے اور انتہائی خوبصورت ٹائیٹل سے مزین ہے جو کہ ناشر کے حسن ذوق کا آئینہ دار ہے۔ قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے قارئین کو اس مقالے کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔